

ڈاکٹر عاصمہ رانی، اسٹنٹ پروفیسر، صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج وومن یونیورسٹی بہاولپور

Dr.Aasma Rani, Assistant Professor, Urdu Department, Govt Sadiq College Women University, Bahawalpur.

کالونیل ازم کا معاشی جبر اور نظیر اکبر آبادی کا شعری متن (ایک زمین زاد کی آواز)

THE ECONOMICAL DIFFICULTIES OF COLONIAL PERIOD AND NAZEER AKBAR ABADI POETIC TEXT (A NATIONALIST VOICE)

Abstract:

Dr Abdus Sattar Siddiqi is an expert researcher, critic, editor and Nazeer Akbarabadi, the great poet of the folk tradition, was a man of great creative power in language and socio political vision. He has presented life in various details in his poetic works and reflects the Indian society in lot of colours and images. Nazeer's poetry is truly a reflection of public life which was suffering from countless economic problems in British Raj. There is no aspect of public life that he has not touched by his creative verses. He is the interpreter of a life full of difficulties and sufferings which was facing the layman of Indian society whether he was Muslim or Hindu or even belongs to any other religious beliefs. Nazir's point of view about life is universal but he also expressed the daily life problems of common man by his poetic text because that was the real suffering which was unknown for the elites or also a man associated with the walls of Govt Structure. His far-sighted approach reaches every small and big social problem and the colonial control from all of Indian population was suffering. He has presented social and economic problems from the mind of a common man and from the point of view of a common man. Many of his poems (Mufalsi, Paisa, Aata daal, Rooti.rupiya.Chapatti and Talash e zarr) represent a mind that this article will present the economic aspects of Nazeer's poetry which are related to the problems and relations of a common man and which are still facing the common man of this society today.

Key Words: Urdu poetry Common man, Public life ,Difficulties,socio-political and economics problem,Economic aspect,Society under colonial Raj.

شعری متون کا تجزیہ سیاسی ادوار اور جغرافیہ حد بندی کی بنیاد پر کرنا عمومی ادبی روایت کا خاصہ ہے۔ اس سے ایک طرف مختلف محل وقوع پر ہونے والے واقعات اور ان واقعات کے انسانی فہم و ادراک ہر اثرات جانچ پڑتال کے ساتھ، اس خاص زمانی وقفے میں تخلیق کار کی ذمہ داری اور اس کے برتاؤ کو جانچا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سترہویں صدی کے انجام سے ہی معاشی تبدیلیوں کے ڈسکورس نے یہاں کے سیاسی سماجی ثقافتی حتیٰ کہ حکومتی ڈھانچے کو بھی بری طرح متاثر کیا جس کی سب سے بڑی مثال اٹھارہویں صدی کے وسط میں یعنی ۱۷۵۷ء کی جنگیں ہیں جن کے ہندوستان کے داخلی ماحول، فرد اور اجتماع کی صورت حال سمیت زندگی کے کئی دیگر شعبوں پر اثرات انمٹ ہیں۔ یہی زمانہ درحقیقت ہندوستان میں نوآبادیات کے آغاز سے استحکام تک کا زمانہ ہے جس میں اٹھارہویں صدی اس لیے سب سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ اس صدی میں نوآباد کار اور مقامی طاقتوں کے درمیان جنگ و جدل اور شکست و ریخت کا عمل اپنے نکتہء عروج پر ہوتا ہے جس کی انتہا ۱۸۵۷ء میں دہلی کے لال قلعہ پر برطانوی پرچم کی تنصیب پر ہوتی ہے۔

● مفروضہ یہ ہے کہ اس سارے زمانے اور خاص کر ۱۷۴۰ء سے ۱۸۵۷ء کے درمیان تخلیق کار خواہ وہ شعری متون کے توسل سے اپنے فکر و خیال کا اظہار کرتا ہو یا نثری اصناف میں اپنے ماضی الضمیر کی روداد جو بیان کرتا ہو۔ ہندوستان کے کن کن علاقوں میں کیا کیا فکری جوہر لیے ہوئے ہیں۔ سوال کی تجسیم میں ہی اس کے دو اہم نکات شامل ہیں کہ ایک وہ تخلیق کار جو انگریز نوآبادیات کے جبر و تسلط کا حامی ہے اور مقامی افراد کی غلامی کے بہتے ناسور کو دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہے اور دوسرے وہ تخلیق کار جو انگریز راج کے خلاف صف آراء ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی فارسی روایت شاعری کے عروج و کمال کا دور تھا چونکہ فارسی روایت طبقہ خواص سے تعلق رکھتی تھی اور اس کا رجحان بھی اسی طبقے کی طرف تھا۔ اس عہد میں جب نظیر اکبر آبادی نے شاعری کا آغاز کیا تو انہوں نے اپنے دور کی شاعری سے الگ راہ اختیار کی کہ نظیر نے فارسی روایت کو اصناف سخن اور بحور و اوزان کی حد تک کو اپنایا لیکن موضوع کے اعتبار سے اردو ادب کی ہندوی روایت کو قبول کیا۔ مولودنامے، سراج نامے اور چکی نامے وغیرہ اسی ہندوی روایت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ناقدین ادب انہیں شاعر ماننے ہی سے انکاری ہیں کہ نظیر انہیں ایک الگ راہ پر چلنے نظر آتے ہیں۔ اسی لیے فیلن نظیر اکبر آبادی کے حوالے سے یوں رائے دیتے ہیں کہ:

”حقیقی شاعری کے یورپی معیار ادب میں نظیر واحد ہندوستانی شاعر ہے مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اسے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتے۔ نظیر واحد شاعر ہے جس کی شاعری عوام تک پہنچی ہے۔“^(۱)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری بھرپور انفرادیت کی حامل ہے کہ جس نے پہلی بار چار سو پچھلی معاشرتی زندگی اور عام تہذیبی عوامل اور عوام کو اپنی تخلیقی عمل میں شامل کیا۔ ان کی شاعری کو اس دور میں وہ اہمیت نہیں مل سکی جو بعد میں حاصل ہوئی۔ نظیر نے انسان کے جذبات و احساسات، رسم و رواج، تہذیب و تمدن اور عام معاشی مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

انہوں نے ناصرف عوام کے مسائل و جذبات کو اپنی نظموں میں بیان کیا۔ بلکہ میلے ٹھیلے، عرسوں، بازاروں اور گلی کوچوں کی سیر کروا کر عوام الناس کو ایک نیا انداز اور توانائی دی۔ نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں موضوعات کا تنوع ہے، انہوں نے حسین مناظر، موسموں، تہواروں اور میلوں کو اپنی نظموں میں شامل کیا۔ اس حوالے سے ان کی بہترین نظمیں ہولی، راکھی، عید، بلدیوبجی کامیلہ، محرم، شبِ برات، بسنت، دسہرہ، برسات کی بہاریں، جاڑے کی بہاریں وغیرہ شامل ہیں۔

نظیر کی شاعری کا ایک اہم موضوع اقتصادی مسائل اور معاشی بد حالی بھی ہے۔ وہ اپنی نظموں کے ذریعے معاشرے میں ہونے والے معاشی بحران، غریب لوگوں کی اقتصادی بد حالی، بے روزگاری کو نہایت عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ ویسے تو ہر ادیب و شاعر نے معاشی اور اقتصادی مسائل کو اپنی تحریروں میں بیان کیا ہے لیکن جس طرح نظیر اکبر آبادی نے اپنی نظموں "مفلسی"، "پیسا"، "آنا دال"، "بخارہ نامہ"، "آدمی نامہ"، "روٹی"، "روپیہ"، "چپاتی"، "تلاشِ زر" میں معاشی و اقتصادی مسائل کو بیان کیا ہے کوئی نہیں کر سکا اور نہ ہی اس میں ان کا کوئی معاصر ہے اور نہ ہو گا۔

نظیر کے حوالے سے سید محمد ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں ”آنا، دال اور پیسے کو نظیر اکبر آبادی نے انسانی ہستی کی تلخ اور حقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ ایسی حقیقتیں جو مفلس و کنگال اور تو نگر و غنی سب کی زندگی کا محور ہے۔۔۔۔۔۔ اگر دہلی کو میر، سودا اور مصحفی جیسے نوحہ خواں ملے تو آگرہ کو نظیر جیسا ماتم کرنے والا نصیب ہوا۔۔۔۔۔۔ اس نے زندگی کو دیکھا اور ہر پہلو سے دیکھا۔ مشاہدہ کی یہ وسعت اس کے شہر آشوب میں بھی کسی حد

تک موجود ہے۔۔۔۔۔ نظیر کے الفاظ کھر درے ہیں لیکن ان کھر درے لفظوں سے انہوں نے اپنے دور کی زندگانی کا مجسمہ تراشا ہے۔^(۲)

نظیر اکبر آبادی نے ایسے تمام مسائل کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا جو اردو شعری ادب کے لیے غیر شاعرانہ سمجھے جاتے ہیں اسی وجہ سے ادب کے کلاسیکی شعراء اور معاصرین نے اور ان کی شاعری کو کبھی تسلیم نہیں کیا ایسے حالات میں ایک نئی سوچ اور شاعر کو جگہ ادب میں مقام ملنا مشکل تھا مگر ان سب کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے مقصد اور نئی روایت سے انحراف نہیں کیا کیونکہ وہ واحد شاعر تھے جو ہر موضوع، خیال اور فکر پر شعر کہہ سکتے تھے۔ ان کی شاعری میں پہلی مرتبہ معاشرتی و عوامی زندگی اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔

بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:-

”آگرہ میں مستقل طور پر آباد ہونے والا شاعر نظیر دنیا کے منظروں، موسموں، تہواروں، میلوں، بازاروں اور گلی کوچوں کی متنوع زندگی کو اردو شاعری کے کینوس پر اتارنے کا عزم لے کر اٹھا تھا۔ اس نے انسانی فکر و فلسفہ کی جگہ عام انسانی زندگی کو اس کینوس پر منتقل کیا اور اسی طرح اپنے دور کی زندگی کا ان تھک مصور بن گیا۔“^(۳)

نظم ”روٹی“ میں نظیر اکبر آبادی نے روٹی کی اہمیت اُجاگر کیا ہے۔ جب کوئی بھوکا نہیں ہو تو اسے روٹی کی قدر نہیں رہتی لیکن جو نہی اسے کئی دن روٹی نصیب نہ ہو تو وہ ہر شے میں روٹی ہی دیکھتا ہے اور جب کئی دن بعد اس کے سامنے چولہا جلتا ہے اور آگ پر روٹی پختی ہے تو وہ آگ اس کے لیے کسی نور سے کم نہیں ہوتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی مزید نظم میں بتاتے ہیں کہ انسان کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا اس کو ہر حال میں روٹی چاہیے اگر اسے روٹی نہ ملے تو وہ مرنے مرنے کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان روٹی کے لیے بڑے بڑے کام کر جاتا ہے، یہاں تک کہ اپنی عزتیں بھی قربان کر دیتا ہے۔ موجودہ دور میں کبھی ماں بچوں سمیت خود کشیاں یا قتل کر دیتے ہیں کہ ان کے لیے خاندان کا پیٹ پالنا ممکن نہیں تھا۔ شاعر روٹی کی اہمیت کے بارے میں مزید کہتے ہیں کہ بھوک صرف روٹی سے ہی ختم ہو سکتی ہے۔ اس حوالے سے اشعار دیکھیے:-

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں پھولی نہیں بدن میں ساتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رُخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں سینے اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں

جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں^(۴)
نظیر کی نظم "مفلسی" میں غریب اور مفلس ہونے کے نقصانات اور خرابیوں کا ذکر کیا ہے کہ ایک غریب
انسان جب مفلس ہو تو اس پر کیا گزرتی ہے اور اسے کن مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ منظر کشی کے حوالے سے بھی
یہ نظم بھی ان کی بہترین نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ مفلس انسان کو ہر وقت بھوک پیاس کا سامنا رہتا ہے۔ سارا گھر کئی
ہفتے فاقوں میں گزارتا ہے۔ بھوک کی اہمیت اور کمی کو صرف وہی جان سکتا ہے جس پر گزرتی ہے۔ نظم "مفلسی" کے
بارے میں ڈاکٹر ابوالیث صدیقی لکھتے ہیں:-

”نظیر کی یہ نظم نسبتاً طویل ہے اور انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مفلسی کی مختلف
حالتوں کا نقشہ بڑے مزاحیہ انداز میں کھینچا ہے۔ مختلف ہنرمندوں اور صنعت کاروں کا الگ
الگ حال بیان کیا ہے کہ مفلسی کی بدولت وہ اپنے پیشے اور فن سب کو بھول جاتے ہیں۔ علم
اور کمال دونوں مفلسی کی بدولت پامال ہو جاتے ہیں۔“^(۵)

نظیر کہتے ہیں کہ انسان کتنا ہی ایماندار اور نیک کیوں نہ ہو مفلسی اس کو بے ایمان بنا دیتی ہے۔ ان کے
نزدیک مفلسی ایک ایسی لعنت ہے جو باعث انسان کو بھکاری بنا کر رکھ دیتی ہے۔ وہ اللہ سے دعا بھی کرتے ہیں کہ
بادشاہ سے فقیر تک کوئی انسان مفلس نہ ہو۔ مفلسی کا درد صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس پر گزری ہو۔

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے جو آشنا ہیں ان کی توافقت گھٹاتی ہے
اپنے کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے شرم و حیا و عزت و حرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مفلسی جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجات کہاں رہی کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی^(۶)

نظیر کا کلام غریب لوگوں اور نچلے طبقے کی بد حالی کی داستان ہے۔ جہاں بھوک، پیاس، محرومی اور احساس
کمتری سب کچھ موجود ہے۔ "آٹے دال" اسی حوالے سے لکھی گئی بہترین نظم ہے۔ انہوں نے اس نظم میں مختلف
طبقوں کے معاشی حالات اور آٹے دال کی فکر کو الگ انداز میں بیان کیا ہے۔ نظیر کی اس نظم میں انسان اپنی بے بسی

اور لاچارگی کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ انسان کسی بھی مقام پر پہنچ جائے، کچھ بھی بن جائے، سماج میں اس کی کوئی بھی حیثیت ہو اس کے لیے بھی اہم بنیادی مسئلہ بھوک ہی ہے ساری مخلوق، چرند پرند، جانور سب ہی غذا کے لیے کوشاں ہے۔ یہ ہماری زندگی کی حقیقی تصویریں ہیں جن کے بنا انسانوں اور حیوانوں کا کوئی وجود نہیں۔

گر نہ آٹے دال کا اندیشہ ہو تا سدرہ
پھر نہ پھرتے ملک گیری کو وزیر و بادشاہ
ساتھ آٹے دال کے ہی حشمت و فوج و سپاہ
جا بجا گڑھ کوٹ سے لڑتے ہوئے پھرتے ہیں آہ
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کی
اپنے عالم میں یہ آنا دال بھی کیا فرد ہے
حسن کی آن و اداسب سب اسکے آگے گرد ہے
عاشقوں کا بھی اسی کے عشق سے منہ زرد ہے
تا کجا کہیے کہ کیا وہ مرد کیا نامرد ہے
سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کی^(۷)

نظیر اکبر آبادی کی نظم "پیسہ" میں پیسوں کی اہمیت کو لطف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ پیسے کے بارے میں نظیر اکبر آبادی نے ایسی خوبصورت مسدس لکھی ہے جسے کوئی اور شاعر نہیں لکھ سکتا ہے۔ اس نظم میں وہ کہتے ہیں کہ پیسے کے بغیر کسی کی شادی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسے موقع پر انسان دل کھول کر پیسا خرچ کرتا ہے مختلف تقریب ہوتے ہیں کھانا پینا، شور و غل مچا ہوتا ہے اور یہ ماحول صرف پیسوں کی بدولت ہی ممکن ہے۔ مزید بتاتے ہیں کہ پیسے کی بدولت ہی انسان کی قدر ہوتی ہے۔ پیسے کی وجہ سے ہی ہم سکون سے کھانا کھا سکتے ہیں اور گھر کی چار دیواری میں رہنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پیسا ہو تو گھر میں بھی امن و سکون نہ ہو تو لڑائی جھگڑے۔

رونق بہار ہوتی ہے پیسے سے سب حصول
اور جو نہ ہو وہ چہرہ اڑتی ہے خاک دھول
پیسای ساری چیز ہے پیسای مرد و سول
بن پیسے آدمی ہے جہاں بیچنا قبول
پیسای رنگ روپ ہے پیسای مال ہے
پیسانہ ہو تو آدمی چرنے کا مال ہے
دنیا میں دیندار کہانا بھی نام ہے
پیساجہان کے بیچ وہ قائم مقام ہے
پیسای جسم جان ہے پیسای کام ہے
پیسے کا ہی نظیر یہ آدم غلام ہے
پیسای رنگ روپ ہے پیسای مال ہے
پیسانہ ہو تو آدمی چرنے کا مال ہے^(۸)

نظم "روپیہ" "کاپس منظر" پیسا" نظم سے متعلق ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ تمام محفلیں، شان و شوکت، زور و زور، ٹھاٹھ باٹھ سب روپے کی بدولت ہے یہ ناہو تو آدمی کنگال ہے نہ اس کی کوئی قدر ہے نہ اس کا کوئی مقام ہے۔ لوگ جو میلے ٹھیلے میں جاتے ہیں یہاں مختلف کھانے کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں نیز جو بھی تماشے دیکھاتے

ہیں یہ سب روپیہ کی بدولت ہے۔ نظیر اکبر آبادی روپیہ کی قدر و اہمیت کے بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ لوگ جو چمکدار لباس آراستہ کرتے، بڑے بڑے محلات کی تعمیر، زیوار اور مختلف ذائقوں کے کھانے سب میں روپیہ کی جھلک و چمک نظر آتی ہے۔ اگر گرمی ہو تو روپے سے ہی ٹھنڈے پٹکھے خرید لاتا ہے یہاں تک کہ گھر کا ہر ایک ساز و سامان روپیہ کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ روپیہ، پیسہ انسان کی جسمانی عیش و آرام کی خاطر ہے۔

اس روپ سے گرمی کے بھی سامان عیاں ہیں خس، خانے ہیں چھڑکے ہوئے اور عطر فشاں ہیں
دن کو بھی جدھر دیکھیے ٹھنڈک کے نشان ہیں اور شب کے بھی سونے کو ہوا دار مکاں ہیں
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا
ظاہر میں تو اے دوستو راحت ہے اس سے ہر آن دل و جان کو مسرت ہے اسی سے
ہر بات کی خوابی و رواغت ہے اس سے عالم میں نظیر عشرت و فرحت ہے اسی سے
جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپے کا^(۹)

ان کی نظم "چپاتی" بھی بھوک اور روٹی کی قدر و قیمت کے بارے میں ہے۔ اس کی اہمیت صرف اسی کو ہو سکتی ہے جسے ایک وقت چپاتی بھی میسر نہیں ہوتی۔ اپنی زندگی میں کبھی ایک وقت بھی بھوکے نہیں رہے مگر اس کے باوجود ان کی نظمیں "چپاتی" اور "روٹی" میں ہمیں بھوک سے تڑپتے لوگوں کا حال نظر آتا ہے یہ مناظر اسی وجہ سے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ انہوں نے بھوک میں تڑپتے لوگوں کی تکلیف اور شدت کو قریب سے دیکھا ہے۔ نظم "چپاتی" میں نظیر نے ایک بھوکے انسان کی نظر میں روٹی کے تصور کا احساس دیکھایا ہے کہ کیسے لوگ اس کو پانے کی خاطر کئی جتن کرتے ہیں۔

جب ملی روٹی ہمیں، سب نورِ حق، روشن ہوئے

رات دن، شمس و قمر، شام و شفق، روشن ہوئے

زندگی کے تھے جو کچھ نظم و نسق، روشن ہوئے

اپنے، بیگانوں کے لازم تھے جو حق، روشن ہوئے^(۱۰)

اسی طرح اپنی ایک نظم "پیٹ" میں بتاتے کہ انسان پیٹ کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا ہر طرح کی ذلت برداشت کرتا، اپنا ضمیر تک بیچتا ہے حتیٰ کہ اپنے آپ کو فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ نظیر کے نزدیک اس دنیا کی گہما گہمی کا باعث ہی پیٹ ہے۔

کرتا ہے کوئی جو روغنا پیٹ کے لیے
 سہتا ہے کوئی رنج و بلا پیٹ کے لیے
 سیکھتا ہے کوئی مکر و غنا پیٹ کے لیے
 پھرتا ہے کوئی بے سرو پا پیٹ کے لیے
 جو ہے سوہو رہا ہے فدا پیٹ کے لیے^(۱۱)

اسی نظم میں شاعر اس تلخ حقیقت کا اظہار بھی کرتا ہے کہ لوگ مردے کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن خوانی نہیں کرتے بلکہ وہاں جو کھانا ملتا ہے اس کی خاطر پڑھتے ہیں۔

پڑھتے ہیں اب قرآن جو مُردوں کے نام
 پھولوں میں بیٹھ کرتے ہیں بیچ آیتیں تمام
 دوزخ میں یا بہشت میں مردے کا ہو مقام
 کچھ ہو پران کو حلوے و مال ڈے سے اپنا کام
 خوش ہو گئے جب ان کو ملا پیٹ کے لیے^(۱۲)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نظیر اکبر آبادی کی اقتصادی شاعری کے حوالے سے یہ کہتے ہیں:-
 ”نظیر کی کلیات کا وہ حصہ جس کا تعلق آٹا، دال، روٹی اور پیسہ سے ہے ہم اسے اقتصادی شاعری کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ شاعری ہے جو عہد نظیر کے انسان کی سانگی میں معاشی بحرانوں کی تمثالیں بناتی ہے۔ اس شاعری کے اندر معاشی جبر کے شدائد میں پستا ہوا وہ انسان آتا ہے جو اپنی مادی بے بسی اور بے چارگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ مظاہرہ مفلسی، کوڑی، پیسہ، زر جیسی نظموں میں دیکھا جاسکتا ہے۔“^(۱۳)

جس دور میں نظیر اکبر آبادی نے اپنی شاعری کا آغاز کیا وہ روایت کی پابندی کا زمانہ تھا۔ کسی نئے تجربے کی ہر گز جگہ نہیں تھی نہ ہی اسے قبول کیا جاتا تھا اسی وجہ سے نظیر اکبر آبادی کو ان کے دور میں وہ مقبولیت نہیں مل سکی جس کے وہ حقدار تھے۔ اس وقت شاعری خواص کے لیے تھی جس کے اسالیب مضامین اور ذخیرہ الفاظ سب مقرر تھے اور ان سے انحراف کرنے والا شاعر نہیں جانا جاتا تھا۔ عام انسان کے بدلے صورت حال اور خاص طور پر ترقی پسند

تحریک کے زیر اثر ادب کو زندگی کا ترجمان اور ادب برائے زندگی کا نعرہ لگایا جس نے نظیر اکبر آبادی کی شاعری کو حیات نو اور شہرت دوام بخشی۔

پروفیسر مجنوں گورکھ پوری کے مطابق

”موجودہ دور میں نظیر کی طرف لوگ توجہ کرنے لگے تھے اور ہر طرف یہی سُننے کو مل رہا

ہے کہ نظیر اپنی ذات میں تنہا ایک دبستان اور جماعت تھے۔“ (۱۴)

الغرض نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں ”پیہ“، ”آٹا دال“، ”روٹی“، ”روپیہ“، ”کوڑی“، ”پیٹ“ اور ”چپاتی“ جیسی نظمیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ صرف عام لوگوں کی کشیدہ زندگی کو قریب سے دیکھا اور محسوس بھی کیا ہے۔ ان نظموں میں نظیر نے عوام کے مسائل اور مادی ضروریات کو بیان کیا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کا شمار حقیقت پسند شعراء میں ہوتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی صرف شاعر ہی نہیں بلکہ مفکر اور مصلح بھی تھے۔ انہوں نے اپنے دور اور اس وقت کے ماحول و تہذیب کا مشاہدہ بہت غور و فکر سے کیا اور انسان کو کامیاب زندگی کا سلیقہ بھی سکھایا کیونکہ ان کی شاعری عشق و عاشقی پر نہیں بلکہ انسانی زندگی کی حقیقی داستان پر مبنی ہے۔

حوالہ جات

۱. ایس ڈبلیو فیلن، ڈاکٹر، ”ہندوستانی انگلش ڈکشنری“، ۱۸۷۹ء، ص ۶۳
۲. سید محمد ابوالخیر کشفی، ”اردو شاعری کا سیاسی اور تاریخی پس منظر (۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء)“، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء)، ص ۱۹۶، ۱۹۵
۳. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ”اردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک“، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص ۵۵۲
۴. نظیر اکبر آبادی، ”کلیاتِ نظیر اکبر آبادی“، (لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۹۲۲ء)، ص ۲۴۴
۵. ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ”نظیر اکبر آبادی اُن کا عہد اور شاعری“، (کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۵۷ء)، ص ۲۲
۶. نظیر اکبر آبادی، ”کلیاتِ نظیر اکبر آبادی“، ص ۳۴۷
۷. مجنوں گورکھ پوری، ”ادب اور زندگی“، (لکھنؤ: کتب خانہ دانش محل، ۱۹۴۴ء)، ص ۲۸۲
۸. نظیر اکبر آبادی، ”کلیاتِ نظیر اکبر آبادی“، ص ۱۹۰

۹. ایضاً، ص ۱۳۷
۱۰. نظیر اکبر آبادی، "کلام نظیر اکبر آبادی"، (نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۷۱
۱۱. نظیر اکبر آبادی، "کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"، ص ۶۷۱
۱۲. ایضاً، ص ۶۷۳
۱۳. تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "اُردو ادب کی تاریخ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک"، ص ۵۵۵، ۵۵۴
۱۴. نظیر اکبر آبادی، "کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"، ص ۱۸۷